# بسم اللہ الرحمن الرحیم

## پیش لفظ۔ محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جان رحمت پر لاکھوں سلام۔

یہ نصاب ہائی اسکول کے طلبہ کی ضروریات کو سامنے رکھ کر بڑی کاوش سے تیار کیا گیا ہے۔ درسی کُتب کی تیاری ایک فن ہے آسان بھی اور دشوار بھی اگر اس عمل میں محض کینچی اور لیئی کا سہارا لیا جائے تو یہ بہت آسان کام ہے لیکن تصنیفات کی ورق گردانی کر کے اگر نئے مضامیں اور انتخابات کی ترتیب دی جائے تو یہ کام دشوار اور وقت طلب ہو جاتا ہے۔ اس نصاب پر نظر ڈالنے سے یہ اندازہ ہوگا کہ اس تالیف میں دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

اس نصاب کی خصوصیات درج ذیل ہیں۔

قدیم اور جدید سرمایہ شعرادب سے جو اقتباسات اور انتخابات شامل کیئے گیئے ہیں ان میں ایک خوش گوار توازن اور اعتدال قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

انتخابات وترتیب میں کافی تنوع ہے۔ اس کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ طلبا قدیم ادبی سرمائے سے ضروری واقفیت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ نئےادبی رجحانات سے ضروری واقفیت حاصل کرنے سے بھی آشنا ہو سکیں اور ان کے بڑتے ہوئے نداق شعر وادب کی تربیت اور آسودگی ہو سکے۔

اقتباسات اور انتخابات میں مناسب اور حسب ضرورت تصرف کر کے انھیں طلبا کے معیار کے مطابق بنانے کی کوشش کی گئی ہے مضامین معیاری اور انتخابات مختصر نئےاور شگفتہ

ہیں پرانے مضامین اور نظموں کو ہی بار بار پڑھنا اور پڑھاتے رہنا کنچیایک تھکا دینے والی ہم رنگی اور یکسانیت پیدا کر دیتا ہے ۔اس خیال کے پیش نظر چند مضامین اور نظمین بالکل نئ شامل کی گئی ہیں ۔ نئ نسل کے صرف اُنھیں ادیبوں اور شاعروں کو جگہ دی گئی ہے جو مستند ہو چکے ہیں اور اپنے دور کے نمائندہ ہونے کی حیثیت رکھتے ہیں

اردو انشا کی ایک بڑی محرومی یہ ہے کہ باوجود انجمن ترقی اُردُو کی کوششوں کے الفاظ کی ملاوٹ اوقات اور اعراب کے لئے کسی اصول کی پابندی نہیں کی جاتی ۔یہی سبب ہے کی کتابوں میں انشا کی بہت سی خامیاں نظر آتی ہیں ان مجموعوں میں چند اصول برتے گئے ہیں ہر لفظ علاحدہ لکھا گیا ہے اوقات کا پورا خیال رکھا گیا ہے تاکہ طلبہ کو مفہوم سمجھنے میں آسانی ہو ان الفاظ پر کہیں کہیں اعراب ملیں گے جن کے تلفظ میں غلطی کا امکان ہوتا ہے ۔ صفائی صحت اور حسن ترتیب کی طرف بھی خاص توجہ کی گئی ہے باضابطہ طور پر انشا کے چند اصولوں کو درسی کتب میں برتنے کی غالبا یہ پہلی کوشش ہے یقین ہے کہ یہ نصاب وقت کے ادبی تقاضوں کو پورا کرے گا اور اساتذہ اور طلبہ اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں گے ۔

مولفین

## اساتذہ کے لیے اشارے

طلبہ میں شعر ادب کا پاکیزہ ذوق پیدا کرنے کے لیے جہاں اچھے انتخابات ہونا ضروری ہے وہاں یہ لازمی ہے کہ انتخابات عمدہ طریقہ سے طلبہ کے سامنے پیش کیے جائیں ۔اچھے سے اچھے ادبی شاہ کار کو اس طرح بھی پڑھایا جاسکتا ہے کہ طلبہ ہمیشہ کے لیے اس سے بد دل ہو جائیں اور ایک معمولی مضمون کو ان کے سامنے اچھے ڈھنگ سے پیش کیا جاسکتا ہے کہ وہ اس سے لطف اندوز ہو سکیں ۔

طریقہ تعلیم کی تعیین میں استاد کی شخصیت سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے تاہم اسکے چند خارجی اصول بھی ہیں ماہر تعلیم کے تجربات کے بعد مترتب ہوئے ہیں ایک اچھے مدرس کے ہاتھ میں یہ اصول مفید

اوزار کا کام دیتے ہیں جن میں وہ اپنے سبق کی تراش خراش میں کام لیتا ہے۔ مگر کبھی ان کا غلام نہیں ہوتا اور اپنی انفرادیت کو اصولوں کی اندھی تقلید کا پابند نہیں ہوتا اس مختصر مگر ضروری تمہید کے بعد ہم مادری زبان کے طریقے یقہ تعلیم کے چند اصول بتاتے ہیں اور مدرسین سے التماس کرتے ہیں کہ زبان کے اسباق پڑھاتے وقت ان کا خاص لحاظ رکھیں۔

۱۔ نثر کے اسباق خاموش مطالہ کے لیے ہوتے ہیں۔ بلند خوانی کے لیے وہی ٹکڑے منتخب کئے جاتے ہیں جن کی انشا یا طرز ادا میں خاص خوبی ہو۔

۲۔ بلند خوانی سے پہلے خاموش مطالعہ کو مفید اور بامقصد بنانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ مشکل الفاظ کو اور تراکیب کو تشریح پہلے ہی کر دی جائے خاموش مطالعہ کے بعد نفس مضمون پر ایسے خیال افزا سوالات کرنے چاہیں کہ طلبہ غور کرنے پر مجبور ہوں اور جواب دینے میں پڑھی ہوئی عبارت کا زیادہ سے زیادہ حصہ دہرا سکیں۔

۳۔ نثر کے اسباق بغیر زبان و قواعد کی مشقوں کے نامکمل رہتے ہیں۔ سبق کے اختتام پر یا اگر موقع ہو تو دوران سبق میں بھی طلبہ سے زبان و قواعد کی مشقیں حل کرائی جائیں۔ یہ مشقیں سبق سے متعلق ہوں اور ان میں ترتیب اور تسلسل ہو مشقوں کے نمونے اسباق کے آخر میں شامل ہیں

۴۔ نظم آرٹ کا نمونہ ہے اور اسے اسی حیثیت سے طلبہ کے سامنے پیش کیا جائے نظم پیش کرنے میں سے پہلے اس کے لیے مناسب فضا پیدا کی جائے اور پھر الفاظ مشکلہ کو سمجھا دیا جائے لیکن اس سلسلہ میں مدرس کو خیال رکھنا چاہیے کہ وہ طلبہ کے سامنے اور شاعر کے بیچ میں زیادہ عرصہ تک حائل نہ رہے طلبہ کے سامنے کم از کم دو بار نظم پڑھ کر انھیں موقع دے کر کہ وہ شاعر سے براہ راست مخاطب ہو سکیں۔

۵۔ خوش خوانی کے بعد نظم پر بحیثیت مجموعی سوالات کئے جائیں۔ غیر ضروری بحث تمحیص میں پڑ کر نظم کی خوب صورتی کو مجروع نہیں کرنا چاہیے۔ سوالات توضیحی اور تنقیدی دونوں ہوں اور شاعر کے مقصد تاثرات اور زبان و بیان کے محاسن سے متعلق ہوں۔

۶ ۔طلبہ سے خوش خوانی کرائی جائے مگر ترنم سے نہیں، خوش خوانی کے لیے وہی طلبہ منتخب کئے جائیں جو اچھا پڑھ سکتے ہوں ۔

۷ ۔ نظم پڑھانے کے سلسلے میں زبان وقواعد کی مشقیں بے محل ہیں ۔ نظم کے اسباق میں صرف ایسی مشقیں لینی چاہئیں جن سے طلبہ کا ذوق شعری بڑھے اور ان میں نقد و تبصرہ کی صلاحیت پیدا ہو میں ۔

۸ ۔ زبان وقواعد کے مشقیہ سوالات کے ساتھ ساتھ طلبہ کو تخلیقی انشاء پردازی کی مشقوں کے کافی نمونے ملیں گے ان نمونے کی مدد سے اور مشقیں تیار کی جائیں ۔

9 ۔ زبان وادب کی تعلیم میں ڈرامہ مناظرہ مناثرہ اور مشاعرہ وغیرہ کی بڑی اہمیت ہے اساتذہ کو اُدھر پوری توجہ کرنی چاہیے ۔اِن طریقوں سے طلبہ کو اظہاری کام کا اچھا موقع ملتا ہے ۔

10 ۔ مشہور تصانیف اور کلام کے مجموعوں کا ذکر مصنفین اور شعرا کے حالات میں کر دیا گیا ہے ۔ مزید مطالعہ کے لیے کچھ کتابیں خاص طور پر اسباق کے آخر میں لکھ دی گئی ہیں ۔ اساتذہ مزید مطالعہ میں طلبہ کی راہ بری کریں ۔

## مادری زبانکے سلسلہ میں مفید عملی کام

ا ۔ مدرس اپنی بیاض رکھے اور طلبہ سے بھی چھوٹی چھوٹی بیاضیں بنوائے اِن میں وہ اپنی پسند کے اشعار اور نظمیں درج کریں ۔ کبھی کبھی اِن بیاضوں سے بھی نظمیں لے کر پڑھائی جائیں ۔اِن بیاضوں کے کچھ اشعار اور نظمیں طلبہ یاد بھی کر لیں

۲ ۔ جو اسباق نظم ونثر کہانی سے متعلق ہوں یا جن میں منظر کشی اچھی ہوا نھیں آرت کے گھنٹہ میں رنگ و برش سے بنوایا جائے اس وقت طلبہ یہ محسوس کریں گے جو کام مصور اپنے برش سے لیتا ہے وہی کام ایک شاعر یا ادیب الفاظ سے لیتا ہے

۳۔ طلبہ اپنی سہولیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ذاتی یا اجتماعی طور پر البم بنائیں اور ان میں (۱) شعرا (۲) مصنفین (۳) مشہور شخصیتیں (۴) تاریخی عمارتیں وغیرہ جمع کریں اور ان کے بارے میں کبھی کبھی بحث ومناظرہ کریں۔ البم کا شوق پیدا کرنے کے لیے اُردو کے مشہور شعرا اور مصنفین کی تصاویر اس میں دے دی گئی ہیں۔

یہ چند خاص اشارے ہیں جو اساتذہ کی خدمت میں پیش کیئے گئے۔ تفصیل میں پڑنے کی نہ تو گنجائش تھی اور موقع۔ ہمیں امید ہے کہ ان اشاروں کو کام میں لاکر اساتذہ مادری زبان کی تعلیم میں ایک نئی رُوح پھونکیں گے۔

# حصّۂ نثر

## فہرست مضامین


| نمبر شمار | نام مصنف | مضمون | صفحہ |
|---|---|---|---|
| ۱ | میر اَمّن | سیر پہلے درویش کی (اقتباس) | ۲ |
| ۲ | رجب علی بیگ سرورؔ | ساحرہ کی عیاری | ۱۰ |
| ۳ | اسد اللہ خان غالبؔ | خطوط | ۲۲ |
| ۴ | سر سیّد احمد خان | خوشامد | ۳۹ |
| | | امید کی خوشی | ۴۳ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۵ | محمّد حسین آزادؔ | بیربل کی آخری مہم | ۵۵ |
| | | انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا | ۷۱ |
| ۶ | نذیر احمد | ابن الوقت کی تقریب | ۸۴ |
| | | مرزا ظاہر دار بیگ | ۹۳ |
| ۷ | الطاف حسین حالیؔ | دیباچہ مسدس حالی | ۱۰۹ |
| | | مرزا کے اخلاق و عادات | ۱۱۷ |
| ۸ | عبدالحلیم شررؔ | مٹیا برج کے حالات | ۱۳۸ |
| | | میر انیس کی شاعری | ۱۵۸ |
| ۹ | شبلی نعمانی | سر سیّد مرحوم اور اُردو لٹریچر | ۱۶۹ |
| ۱۰ | رتن ناتھ سرشارؔ | آٹھواں کا میلا | ۱۸۵ |
| | | میاں آزاد ہوٹل میں | ۱۸۵ |
| ۱۱ | راشد الخیری | بزم شعرا اور آزاد مرحوم | ۲۰۰ |
| ۱۲ | عبدالحق | اُردو کی مقبولیت کے اسباب | ۲۱۴ |
| ۱۳ | حسن نظامی | سیم لاآسمان کی آوازیں | ۲۲۱ |
| ۱۴ | ابوالکلام آزاد | حکایت بادۂ و تریاک | ۲۳۱ |
| ۱۵ | پریم چند | عید گاہ | ۲۴۳ |
| ۱۶ | سجاد حیدر یلدرم | بغداد کا سفر | ۲۶۷ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۷ | نیاز فتح پوری | چاند کا سفر | ۲۸۰ |
| ۱۸ | فرحت اللہ بیگ | ایک وصیت کی تکمیل | ۳۰۵ |
| ۱۹ | رشید احمد صدیقی | بجرو | ۳۲۰ |
| ۲۰ | پطرس بخاری | لاہور کا جغرافیہ | ۳۳۴ |
| ۲۱ | شوکت تھانوی | صفی لکھنوی | ۳۴۷ |
| | | مرزا عظیم بیگ چغتائی | ۳۴۹ |
| | | لاٹری کی ٹکٹ (ڈرامہ) | ۳۵۱ |


# میر اَمّن

اٹھارویں صدی عیسوی میں دلّی میں رہتے تھے۔اور لطف تخلص کرتے تھے۔جب دلّی کی سلطنت بگڑی تو یہ پٹنہ ہوتے ہوئے کلکتہ پہنچے۔وہاں کچھ عرصے تک نواب دلاور جنگ کے چھوٹے بھائی میر محمّد کاظم کے اتالیق رہے۔ پھر فورٹ ولیم کالیج کے ادیبوں میں شریک ہو گئے۔

اس کالج میں ڈاکٹر جان گلکرائسٹ کی نگرانی میں ایک شعبہ اُردو زبان میں تصنیف و ترجمہ کا قائم ہوا تھا۔اس ادارے نے اُردو زبان کی بیش بہا خدمت انجام دی۔

میر اَمّن نے میر عطا حسین تحسین اٹاوی کی فارسی کتاب نو طرز مرصّع کو سامنے رکھ کر 'قصۂ چہار درویش' سلیس اُردو میں لکھا۔

اس کتاب کی بدولت میراَمّن کو شہرت ابدی حاصل ہوئی اور انھیں نثرِ اُردو کا بانی قرار دیا گیا ۔ زبان وبیان کی سلاست ودل کشی کے لحاظ سے یہ کتاب آج بھی لاجواب ہے ۔ڈیڑھ سو سال پُرانی ہونے پر بھی اس کتاب کو پڑھنے سے اُس دور کی داستان گوئی کا اندازہ ہوتا ہے اور اُس زمانہ کے رسم ورواج ، مذہبی عقائد، توہمات اور معاشرتی زندگی کے حالات معلوم ہوتے ہیں ۔

## سیر پہلے دَرویش کی

میری پیدائش اور وطن بزرگوں کا ملک یمن ہے والد اس کو عاجز کا ملک التجار خواجہ احمد نام ،بڑا سوداگر تھا ۔اس وقت میں کوئی مہاجن یا بیپاری ان کے برابر نہ تھا ۔اکثر شہروں میں کوٹھیاں اور گماشتے خرید و فروخت کے واسطے مقرر تھے اور لاکھوں روپے نقد اور جنس ملک ملک کے گھر میں موجود تھے ۔ان کے یہاں دو لڑکے پیدا ہوئے ۔ایک تو یہی فقیر جو کفنی سیلی پہنے ہوئے مرشدوں کے حضور میں حاضر اور بولتا ہے اور دوسری ایک بہن جس کی قبلہ گاہ نے اپنے جیتے جی ایک شہر کے سوداگر بچے سے شادی کر دی ۔وہ اپنے سسرال میں رہتی تھی جس کے گھر میں اتنی دولت اور ایک لڑکا ہو اس کے لاڈ پیار کا کیا ٹھکانا ہے ۔ مجھ فقیر نے بڑے چاؤ چور سے ماں باپ کے سایہ میں پرورش پائی اور پڑھنا لکھنا ،سپاہ گری کا کسب و فن، سوداگری کا بہی کھاتہ روزانہ سیکھنے لگا ۔چودہ
برس نہایت خوشی اور بے فکری میں گزرے ۔کچھ دنیا کا اندیشہ دل میں نہ آیا ۔یک بیک ایک ہی سال میں قضائے الٰہی سے مرگئے ۔ عجب طرح کا غم ہوا، جس کا بیان نہیں ہو سکتا ۔یکبارگی یتیم ہوگیا ۔کوئی سر پر بوڑھا نہ رہا ۔اس مصیبت ناگہانی سے رات دن رویا کرتا ۔کھانا پینا سب چھوٹ گیا ۔چالیس دن جوں توں کر کے گزرے ۔ چہلم میں اپنے بیگانے چھوٹے بڑے جمع ہوئے ۔جب فاتحے سے فراغت ہوئی سب نے فقیر کو باپ کی پگڑی بندھوائی اور سمجھایا " دنیا میں سب کے ماں باپ مرتے آئے ہیں اور اپنے تیئں

بھی ایک روز مرنا ہے۔ پس صبر کرو، اپنے گھر کو دیکھو، اب باپ کی جگہ تم سردار ہوئے اپنے کار بار لین دین سے ہوشیار رہو۔" تسلی دے کر دہ رخصت ہوئے۔ گماشتے نوکر چاکر جتنے تھے، آن کر حاضر ہوئے۔ نذریں دیں اور بولے "کوٹھی نقد و جنس کی اپنی نظر مبارک سے دیکھ لیجیے" یکبارگی جو اس دولت بے انتہا پر نگاہ پڑی آنکھیں کھل گیئں۔ دیوان خانے کی تیاری کا حکم کیا۔ فرّاشوں نے فرش فروش بچھا کر چھت، پردے، چلونیں تکلّف کی لگا دیں اور اچھے اچھے خدمت گار، چوب دار نوکر رکھے۔ سرکار سے زرق برق کی پوشاکیں بنوا دیں۔ فقیر مسند پر تکیہ لگا بیٹھا۔ ویسے ہی آدمی غنڈے، بھانگڑے، مفت کھانے پینے والے، جھوٹے خوشامدی آ آکر آشنا ہوئے اور مصاحب بنے۔ ان سے آٹھ پہر صحبت ہونے لگی۔ ہر طرح کی باتیں زٹلین واہی تباہی ادھر اُدھر کی کرتے اور کہتے جوانی کے عالم میں ویش کیجیئے۔ غرض آدمی کا شیطان آدمی ہے۔ ہر دم کے کہنے سننے سے اپنا بھی مزاج بہک گیا۔ شراب، ناچ اور جوئے کا چرچا شروع ہوا۔ پھر تو یہ نوبت پہنچی کہ سوداگری بھول گئی۔ اپنے نوکر رفیقوں نے جب یہ غفلت دیکھی جو جس کے ہاتھ پڑا الگ کیا۔ گویا لوٹ مچا دی۔ کچھ خبر نہ تھی کتنا روپیہ خرچ ہوتا ہے؟ کہاں سے آتا ہے اور کدھر جاتا ہے "مال مفت دل بے رحم"۔ اس قدر خرچ کے آگے اگر گنج قارون ہوتا تو بھی وفا نہ کرتا۔ کئی برس کے عرصے میں یکبارگی یہ حالت ہوئی کہ فقط لنگوٹی باقی رہی۔ دوست آشنا جو دانت کاٹی روٹی کھاتے تھے اور چمچہ بھر خون اپنا ہر بات میں زبان سے نثار کرتے تھے، کافور ہو گئے، بلکہ راہ باٹ میں اگر کہیں ملاقات ہو جاتی تو آنکھیں چرا کر منہ پھیر لیتے اور نوکر چاکر خدمت گار، بہلیئے۔ ڈھلیت، خاص بردار، ثابت خانے، سب چھوڑ کر کنارے لگے۔ کوئی بات کا پوچھنے والا نہ رہا جو یہ کہئے یہ کیا تمھارا حال ہوا، سوائے غم اور افسوس کے کوئی رفیق نہ ٹھہرا۔ اب دمڑی کی ٹھڈیاں میسر نہیں کہ چبا کر پانی پیوں۔ دو تین فاقے کڑا کے کے کھینچے۔ تاب نہ لا سکا۔ ناچار بے حیائی کا بُرق منہ پر ڈال یہ قصد کیا کہ بہن کے پاس چلیے۔ لیکن شرم دل میں آتی تھی کہ قبلہ گاہ کی وفات کے بعد نہ بہن سے کچھ سلوک کیا، نہ خالی خط لکھا۔ بلکہ اس کے دو ایک خط خطوط ماتم پُرسی اور اشتیاق کے جو لکھے ان کا جواب بھی اس خواب خرگوش میں بھیجا۔ اس شرمندگی سے

جی تو نہ چاہتا تھا، پھر سوائے اس گھر کے اور کوئی ٹھکانہ نظر میں نہ ٹھہرا جوں توں پا پیادہ خالی ہاتھ گرتا پڑتا ہزار محنت سے منزل کاٹ کر ہم شیرہ کے شہر میں جا کر اسکے مکان پر پہنچا۔ وہ ماجائی میرا حال؛ دیکھ کر بلائیں لے گلے مل کر بہت روئی۔ تیل، کلے ماش، ٹکے مجھ پر صدکے کئے۔ کہنے لگی، اگر چہ ملاقات سے دل بہت خوش ہوا لیکن بھیّا! تیری یہ کیا صورت بنی؟ اس کا جواب میں کچھ نہ دے سکا۔ آنکھو میں آنسو ڈبڈبا کر چکا ہو رہا۔ بہن نے جلدی سے خاصی پوشاک سلوا کر حمام میں بھیجا۔ نہا دھو کر وہ کپڑے پہنے۔ ایک مکان اپنے پاس بہت اچھا تکلف کا میرے رہنے کو مقرر کیا۔ صبح کو شربت اور لوزیات، حلوا سوہن، پستہ مغزی، ناشتے کو اور تیسرے پہر میوے خشک وتر، پھل پھلاری اور رات دن دونوں وقت پلاؤ، نان نان قلیہ کباب تحفہ تحفہ مزے دار منگوا کر اپنے روبرو کھلایا کر جاتی۔ سب طرح خاطرداری کرتی۔ میں نے ویسی تصدیع کے بعد جو یہ آرام پایا خدا کی درگاہ میں ہزار شکر بجالایا۔ کئی مہینے اس فراغت سے گزرے کہ پانؤں اس خلوت سے باہر رکھا۔ ایک دن وہ بہن جو بجائے والدہ کے میری خاطر رکھتی تھی، کہنے لگی۔ "اے بیرن! تو میری آنکھوں کی پتلی ہے اور ماں باپ کی موئی مٹی کی نشانی ہے۔ تیرے آنے سے میرا کلیجہ ٹھنڈا ہوا۔ جب تجھے دیکھتی ہوں باغ باغ ہوتی ہوں۔ تو نے مجھے نہال کیا۔ لیکن مردوں کو خدا نے کمانے کے بنایا ہے، گھر میں بیٹھے رہنا ان کو لازم نہیں۔ جو مرد نکھٹو ہو کر گھر سیتا ہے اس کو دنیا کے لوگ طعنہ مہنا دیتے ہیں۔ خصوص اس شہر کے آدمی چھوٹے بڑے بے سبب تمھارے رہنے پر کہیں گے، اپنے باپ کی دولت کھو کر بہنوئی کے ٹکڑوں پر آپڑا۔ یہ نہایت بے عزّتی ہے اور میری تمھاری ہنسائی اور ماں باپ کے نام کو سبب لاج لگنے کا ہے۔ نہیں تو میں اپنی چمڑے کی جوتیاں بنا کر تجھے پہناؤں اور کلیجے میں ڈال رکھوں۔ اب یہ صلاح یہ ہے کہ قصد سفر کرو۔ خدا چاہے تو دن پھریں اور اس حیرانی اور مفلسی کے بدلے خاطر جمعی اور خوشی حاصل ہو۔"

یہ سن کر مجھے بھی غیرت آئی اس نصیحت پسند کی، جواب دیا۔ "اچھا اب تم ماں کی جگہ ہو۔ جو کہو سو کروں۔" میری مرضی پا کر گھر میں جا کر پچاس توڑے اشرفی کے، اصیلی اور لونڈیوں کے ہاتھ میں لوا کر

میرے آگے لار کھے اور بولی "ایک قافلہ سوداگروں کا دمشق کو جاتا ہے۔ تم ان روپیوں سے جنس تجارت کی خرید و، ایک تاجر ایمان دار کے حوالے کر کے دستاویز پکی لکھوالو اور آپ بھی قصد دمشق کا کرو۔ وہاں جب خیریت سے جا پہنچو، اپنا مال مع منافع سمجھ بوجھ لیجو، یا آپ بیچیو۔" میں نقد لے کر بازار گیا۔ اسباب سوداگری کا خرید کر ایک بڑے سوداگر کے سپرد کیا۔ نوشت و خواند سے خاطر جمع کر لی۔ وہ تاجر دریا کی راہ سے جہاز پر سوار ہو کر روانہ ہوا اور فقیر نے خشکی کی راہ چلنے کی تیاری کی۔ جب رخصت ہونے لگے میں نی بہن سے ایک بھاری جوڑا اور ایک گھوڑا جڑاؤ ساز سے تواضع کیا مٹھائی پکوان ایک خاص دان میں بھر کر ہرنے سے لٹکا دیا اور چھاگل پانی کی شکار بند میں بندھوا دی۔ امام ضامن کا روپیہ میرے بازو پر باندھا۔ وہی کا ٹیکا ماتھے پر لگا کر آنسوں پی کر بولی۔ "سدھارو، تمہیں خدا کو سونپا۔ پیٹھ دکھائے جاتے ہو اسی طرح منہ دکھائیو۔" میں نے فاتحہ خیر پڑھ کر کہا "تمہارا بھی خدا حافظ ہے۔ میں قبول کیا۔" وہاں سے نکل کر گھوڑے پر سوار ہوا اور خدا کے توکل پر بھروسا کر کے دو منزل کی ایک منزل کرتا ہوا دمشق کے پاس پہنچا۔ غرض جب شہر کے دروازے پر گیا تو بہت رات ہو چکی تھی۔ دربانوں اور نگہ بانوں نے دروازہ بند کیا تھا۔ میں نے بہت منت کی، مسافر ہوں دور سے دھاوا مارے آتا ہوں، اگر کواڑا کھول دو تو شہر میں جا کر دانی کھاس کا آرام پاؤں۔ اندر سے لوگ گھڑک کر بولے "اس وقت دروازہ کھولنے کا حکم نہیں ہے۔ کیوں اتنی رات گئے تم آئے" جب میں نے صاف جواب سُنا تو شہر پناہ کی دیوار کے تلے گھوڑے کے اوپر سے اُتر زین پوش بچھا جاگنے کی خاطر ادھر اُدھر ٹہلنے لگا۔

## رجب علی بیگ سرور

۱۷۸۶ء میں لکھنو میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام اصغر علی بیگ تھا۔ عربی و فارسی کے عالم اور فنون خطاطی و موسیقی میں کامل تھے۔ نداق سخن بہت صاف و ستھرا تھا، مزاج میں شگفتگی و ظرافت تھی۔ مرزا غالب

اور اُن کے دوستوں میں تھے۔ تلاش معاش کے سلسلہ میں سرورؔ کو اِدھر اُدھر بھٹکنا پڑا۔ ان کے خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے دلی، میرٹھ، راجپوتانہ، کانپور اور کلکتہ کا سفر کیا تھا۔ آخر میں وہ بنارس گئے، جہاں مہاراجہ ایشوری سنگھ نے ان کی آو بھگت کی۔ وہیں ۱۸۶۷ء میں انتقال کیا۔

سرورؔ کی دو کتابیں بہت مشہور ہوئیں۔ انشائے سرور، اور فسانۂ عجائب۔ فسانۂ عجائب کو بالخصوص بڑی شہرت نصیب ہوئی۔ یہ کتاب انیسویں صدی کے درمیان زمانہ کی نمائندہ تصنیف کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا طرز بیان اُس دور کا مقبول اور پسندیدہ طرز تھا جس میں آورد تکلّف، خوبصورت، تراکیب اور شوکت الفاظ کی بہتات اور عبادت سے مسجع و مقفیٰ ہوتی تھی۔

فسانۂ عجائب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ کے لوگ جن، جن، پری، دیو، شہزادہ، شہزادی، جادوگر وغیرہ کے قصّوں کو شوق سے سنتے تھے۔ ان میں افوق الفطرت باتیں بہت ہوتی تھیں پھر بھی ان میں اس زمانے کی معاشرتی زندگی کا اندازہ ہوتا ہے۔

# ساحرہ کی عیاری

محران جادونگار، سحر ساز، راقمانۂ فسانۂ ہوش ربا حیرت پرواز نے لکھا ہے کہ جان عالم ہر صبح مثل مہر درخشان قطع منازل و مراحل و ہر شام مانند ماہِ تابان قیام کرتا چند عرصے میں پھر اِسی دشت اِدبار صحرائے خارخانۂ جہاں حوض میں کو دپڑا تھا، وارد ہوا۔ حوض کے متصل سراپردۂ خاص نصب ہوئے۔ گرد لشکر نصرت اثر اُترا۔ انجمن آرا اور ملکہ مہرنگار وہ چشمہ دکھایا۔ جب تمام ہوا نماز کے واسطے جدا خیمے میں تشریف لایا، نماز پڑھ کے کسل راہ سے، پلنگڑی جواہرنگار بچھی تھی۔ اس پر لیٹ رہا۔ سستی کے باعث غنودگی سی تھی کہ دفعتہً ایک خواص خاص انجمن آرا کی دوڑ آئی۔ کہا، شہزادہ جان عالم کی عمر دراز ہو، فصیب دشمنان شہزادی کی طبیعت ناساز ہے۔ شدّت سے کلیجے میں درد ہوتا ہے۔ وہ نقش سلیمانی اور لوح دیجئے دھوکر پلادیں۔ عارضۂ مزاج مطلوب و بدمزگی طبیعت محبوب سن سے بے قرار ہوا۔ کچھ نیند کا خمار، کچھ طبیعت کا

انتشار، دیکھانہ بھالا، نقش ولوح حوالہ کیا۔ نقش دیکھتے ہی نقشہ بگڑ گیا۔ ایک آواز مہیب پیدا ہوئی۔ کہ اے جان عالم بہت دنوں اُڑتا پھرا۔ مدت بعد کے پھنسا، خبر دار ہو جا۔ ایسی آواز ہول ناک تھی کہ سب لشکری ڈر گئے۔ شجاعوں کے دل تھرا گئے محل میں عورتوں کو غش آگے۔ گھبرا کر شہزادہ نے اُٹھنے کا قصد کیا۔ جگہ سے نہ ہلا گیا۔ور جو کیا ادھا جسم پتھر ہو گیا تھا۔ پھر جو جہاں بیٹھا تھا، بیٹھا رہ گیا، جو کھڑا تھا اینٹھا رہ گیا۔ ہر طرف غل وشور تھا، جو پڑا تھا زندہ در گو تھا۔ کچھ دکھ، کچھ ہنسی، تمام فوج آفت ناگہانی میں پھنسی۔ عجب کھلبلی مچی۔ کل لشکر انسان سے حیوان تک نیچے کا دھڑ پتھر کا اور اُوپر کا جسم بدستور۔ آہ و نالہ، فریاد و بکا، سب لشکر بپا تھا اور محل سرا میں بھی یہی ہنگامہ مچا تھا۔ ہر ایک گرفتار بلا تھا۔ وہ عورتوں کی زاری، انجمن آرا کی بے قراری علی الخصوص ملکہ کے بیان سے زمیں آسمان کانپتا تھا۔

تمام لشکر میں از شام تا پگاہ ہر ایک کے لب سے نالۂ جان کا بلند رہا۔ جس وقت ماہ دمِ سرد بھرتا۔ نقابِ سیاہ روئے تابان ڈال کر غم کدۂ مغرب کی طرف روانہ ہوا اور آفتابِ جگر سوختہ مشرق سے نکل کر خدنگ آہِ بے کساں کا نشانہ ہوا، ایک ابر تیرو تار آیا آدمی خوف زدہ دیکھنے لگے۔ اس ابر اژدہائے خون خوار و شعلہ فشان، آتش وہاں نکلا۔ ایک عورت اس پر سوار، وہ آتش بار، شہ زادے کے خیمے میں اتری۔ جان عالم نے پہچانا کہ یہ وہی جادو گرنی ہے۔ دل سے کہا، شہر اپنا دور رہا، موت قریب آئی قسمت نے کس جگہ لاکر نیرنگی دکھلائی۔ وہ بولی" جان عالم! کہو، اب کیا قصد ہے۔" شہ زادے نے کہا۔"وہی جو تھا۔" اس نے کہا، اب وہ نقش سلیمانی اور لوح پیر مرد کے نشانی کہاں ہے؟ جس کے بھروسے پر کودتے تھے۔ اگر زندگی مع لشکر درکار ہے۔ تو ملکہ آرا سے انکار کر دو اور ہماری اطاعت اور محبت مقدّم جان کر ہم سے دار مدار کرو۔ نہیں تو میں ایک دم سب کو بے گور و کفن طعمۂ زاغ و زغن کر دوں گی۔ دشت لاشوں سے بھر دوں گی۔ شہزادے نے کہا، ہمارے لوح دل پر نقش ارادات حافظِ حقیقی کلک قدرت منقّش ہے۔ عادت سے مجبور ہوں، بے وفائی سے دور ہوں۔ جو کہا سو کہا۔ اگر قضا آئی ہے، مرنے میں کیا چارہ ہے۔ مگر جیتے جی بات جانی کب گوارا ہے۔ یہ سن کر وہ جل گئی۔ غصّے سے رنگت بدل گئی۔ کچھ بڑبڑا کر جان عالم پر

پھونکا۔ نصف پتھر تھا اب حلق تک ہوگیا۔ حسرت و یاس سینے میں بھری تھی۔ تصویر آزری سے پلنگڑی پر بے حس و حرکت دھری تھی۔ وہ تو اژدھے پر چڑھ کر اُڑی اور پکاری اے اجل رسیدہ! آج کا دن اور رات مہلت ہے۔ اگر صبح کو بھی انکار کیا، تو یاد رکھنا، لشکر کا خون اپنی گردن پر لیا۔ یہ سنا کر وہ تو ہوا ہوئی۔ جب تک شہ زادہ آدھا پتھر تھا تو ملکی آرا اور انجمن آرا اپنے اپنے خیموں سے سے گھبرا کر پکارتی تھیں۔ جان عالم جواب دیتا تھا۔ یہی آواز کا سہارا اُن کی زیست کا سبب تھا۔ اب تا حلق پتھر ہونے سے وہ جرسِ قافلۂ گم کردہ راہ دشت غربت بے صدا ہوگیا۔ وہاں صبر کا راہ بر جدا ہوگیا۔ ہر چند دونوں چلائیں، شہ زادے نے مطلق جواب نہ دیا۔ بولا ہی نہ گیا۔ پھر ملکۂ مہر نگار بادل نگار سر پیٹ کر کہنے لگی۔

"فلک تو نے اتنا ہنسایا نہ تھا کہ جس کے عوض یوں رلانے لگا۔ مژدہ اے مرگ غریب الوطنی! خوب میلہ ہاتھ لگا۔ تو بدنامی سے بچی ہم نے ناکامی میں جان دی۔ چرخ ستم شعار رنگ لایا۔" انجمن آرا بیچاری، مصیبت کی ماری، سب کا منہ حیرت سے تکتی تھی۔ اور روتی تھی۔ نہ بین کرنے آتے تھے۔ نہ غل مچایا جاتا تھا۔ گھٹ گھٹ کر جان کھوتی تھی۔ خواصیں سر کھول کر کہتی تھیں۔ ہے۔ ہے! ہم اس جنگل ویران میں لٹ گئے۔ وارث سے چھٹ گئے۔

تو وہ کریم ہے ناشاد کو شاد کرے
مراد مند کو ہر طرح بامراد کرے

لوگو! ہم کدھر جائیں۔ کیوں کر اس بلا سے نجات پائیں۔ کوئی کہتی تھی شیطان کے کان بہرے۔ خدانخواستہ اگر جان عالم کے دشمنوں کا رونگٹا میلا ہوا، شہ زادیاں خاک میں مل جائیں گی۔ غم جدائی سے جانیں گنوائیں گی۔ ہم اُن کے ماں باپ کو کیا منہ دکھائیں گے۔ اس دشت ادبار میں سر ٹکرا کر مر جائیں گے۔

ایک طرف مغلانیاں غم کی ماریاں، دم گرم، سرد آہ بھرتی تھیں۔ ایک سمت انیسیں، جلیسیں نجف کی طرف بال کھول کر التجا سے گریۂ و بکا سے یہ عرض کرتی تھیں۔ شعر

تم نے مدد کی نوح کی، طوفان سے کشتی پار کی
یا مرتضٰےؓ مشکل کشا، کیوں دیر میرے بار میں کی

کوئی کہتی تھی ۔ ہمارا لشکر اس بلا سے جو نکلے تو مشکل کشا کا کھڑا دونا دوں گی ۔ کوئی بولی میں سہ ماہی کے روزے رکھوں گی، کونڈے بھروں گی ۔ صحنک کھلاؤں گی ۔ دودھ کے کوزے بچوں کو پلاؤں گی ۔ کسی نے کہا اگر جیتی چھٹی جناب عباس کی درگاہ جاؤں گی ۔ سقائے سکینہ کا علم چڑھاؤں گی ۔

چہل منبری کر کے نذر حسین سبیل پلاؤں گی ۔ غرضیکہ لشکر سے زیادہ خیموں میں تلاطم پڑا تھا ۔ صدائے حزیں، نالۂ ہر غم گین سے ہنگامۂ محشر برپا تھا ۔ اتفاقاً ایک شاگرد ملکہ کے باپ کا رشید فن سحر میں دیدہ شنیدۂ اس مرد بزرگ کی ملاقات کو بروے ہوا اڑا جا رہا تھا ۔ یہ نالۂ بلند، صدائے ہر دردمند اس کے کان میں جو پہنچی زمیں کی طرف متوجہ ہوا ۔ دیکھا، تو ایک لشکر عظیم، بہ حال سقیم سحر کا مبتلا ہے ۔ شور و غل ہو رہا ہے ۔ جب قریب تر آیا، طرفہ ماجرا نظر آیا، کہ انسان سے تا جانور سب آدھے پتھر ہیں ۔ سمجھا کہ سحر شہپال میں خراب حال ہے ۔ لوگوں سے پوچھا یہ ستم رسیدہ لشکر کس کس ہے ؟ کہاں سے آیا ہے ۔ وہ ملکہ مہر نگار کے ملازم تھے ۔ اپنا حال سب نے بیان کیا ۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ استاد زادی کی خانہ بربادی ہے، در خیمۂ ملکہ پر آیا سر پیٹتا چلّایا ۔ ملکہ نے آواز پہچانی ۔ کہا بھائی اس وقت پردہ کہاں ہے ۔ یہاں آ کے تم بالمشافہ ہمارا عذاب اور خراب حال دیکھو ۔ وہ اندر آیا ۔ ملکہ نے فرمایا ۔ عداوت ساحرہ سے ہمارا قافلہ تباہ ہے ۔ عرض کرنے لگا ۔ مجھے اس کی ہم سری کی طاقت نہیں اور وقفہ کم صبح سب کارخانہ درہم برہم ہو جائے گا ۔ بجز آپ کے والد بزرگوار کے تشریف لائے یہ بلا ٹلتی نہیں ۔ لو خدا حافظ و ناصر ہے ۔ یہ کہ کر بہ حال خستہ و تباہ لب پر نالۂ وآہ اس تیز قدم چلا کہ ادہم صبا کی ڈپٹ، ہر قدم پر نثار تھی ۔ ٹھوکروں میں صرصر بے قرار تھی ۔ پہر بھر میں وارد باغ ہوا، گل سا چاک گریبان، غنچے کی طرح خموش، شبنم نمط اشک رواں پیر مرد نے فرمایا، خیر ہے ۔ اس نے شمہ گرفتاری

جان عالم، ملکہ کی بیقراری، انجمن آرا کا الم، لشکر کا حال ابتر کہہ کر عرض کی ۔ جلد چلیے اگر شام تک نہ پہنچے ۔ وہاں صبح ہی، دم سحر ملک الموت کا بازار گرم ہوگا ۔ ارمان سب دل میں رہے گا ۔ کشتیوں کو علم بے والی وارث کہے گا ۔ کوئی گور و کفن نہ پائے گا ۔ خاتمہ بالخیر ہو جائے گا ۔ پیر مرد نے آہِ سرد بھر کر فرمایا ۔ افسوس! شہ زادے کو سب سمجھایا تھا مگر عمل میں نہ لایا ۔ شعر

ایک آفت سے مر مر کے ہوا تھا جینا
پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی

اُسی دم شاہین تیز پرواز پر سوار ہوا ۔ مغرب کی نماز، لشکر میں داخل ہو کر پڑھی ۔ پہلے جان عالم کے خیمہ میں آیا ۔ حال دیکھ کر سخت گھبرایا ۔ پھر انجمن آرا کی جا کر تسکین کی ۔ وہ رونے لگی ۔ وہاں سے ملکہ کے پاس آ کے کہا "تمھاری بد بختی نے ہماری وضع میں فرق ڈالا ۔ برسوں بعد باغ سے نکلا" ملکہ نے عرض کی، یہ وقت تدبیر ہے، ہنگامۂ تعزیر ۔ بعد رہاءِ اس آفت سماوی سے جو چاہنا فرمانا ۔ القصّہ مجبور و ناچار، وہ عارف باوقار شہزادے کے خیمے کے نزدیک دور تک حصار کھینچ کر بیٹھا ۔ یہ مرد بزرگ نیک صفات، فن سحر کے سوا عامل اسم ذات کا تھا ۔ کچھ پڑھنے لگا ۔ کبھی مناجات بدرگاہ مجیب الدعوات کرتا کہ اے یاورِ زیر داستان و سرفروکنندہ گردن کشاں! اس بوڑھے کی شرم تیرے ہاتھ میں ہے ۔ قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوں ۔ اخیر وقت کا تو حافظ و نگہبان ہے ۔ مجھ پر مشکل ہے تیرے روبرو آسان ہے ۔ سفید ڈاڑھی کو بدنامی کے دسمہ سے نہ رنگنا ۔ تیرہ بختی کا دھبّا بایں ریش سفید نہ لگانا ۔ شعر

مشکل زتوجہ تو آسان آسان زتغافل تو مشکل

جب کہ سجّادہ نشین چرخ اوّل با مجمع مریدان کواکب، حجرۂ مغرب میں روپوش ہوا اور طلسم مشرق سے نمودار با جوش خروش ہوا اور وہ عبادت گزار پیر جوان مرد، شب زندہ دار وظائف صبح سے فرحت پا چکا تھا، یکایک وہ نابکار شیطان صفت ناپاک عورت اژدہ پر سوار بہ چشم خون خوار بہ عزم قتل جان عالم لشکر میں تنہا آئی ۔ پہلے ملکہ کے باپ کے پاس آئی ۔ آنکھیں لال لال، طیش کمال، اور بہ آواز کرخت

پکاری۔ اے مرد پیر! سست رتدبیر! تیری اجل بھی دامن گیر ہو کر کشاں کشاں اس دشت جان فشانی میں لائیے۔ مجھے شرم آتی ہے، تو پیر نود سالہ ہو چکا ہے بے مارے مر رہا ہے۔ تیرے قتل میں بدنامی جُھٹ فائدہ کیا۔ جدھر سے آیا ہے سیدھا چلا جا۔ میں بہ یک نگاہ کج نشان لشکر اس صفہ زمیں سے مثل حرف غلط کارد اپنے سحر سے مٹا دیتی ہوں۔